اُردو میں تنقیدی اصطلاحات کی طوائف الملوکی

ڈاکٹر محمد خاں اشرف (ستارۂ جرأت)

Dr. Muhammad Khan Ashraf(S.J.)

Associate Professor, Department of Urdu,

Lahore Garrison University, Lahrore.

Abstract:

Urdu literary Criticism is at present suffering from a multiplicity of terms. Urdu critics are using terms without any considerations for their denotations and connotations. Most of them even do not bother to define these terms before using them, thus creating anarchy of percepts, thoughts, ideas and concepts. Mostly these terms are translated from English without any consideration for their appropriateness or etymology. Dr. Ashraf in this paper reviews this situation and offers some remedies.

بہت سے قارئین کو بادی النظر میں اس تحریر کا عنوان کچھ عجیب اور غیر معمولی نظر آئے گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس ادبی اور تنقیدی مظہر کی جانب میں توجہ دلانا چاہتا ہوں اس کے بیان کے لیے اس سے زیادہ موزوں اور کوئی ترکیب یا الفاظ نہیں ہیں ۔ اردو ادبی تنقید اصطلاحات کی ایک غیر معمولی صورتحال سے دوچار ہے جسے بیان کرنا اور اس کے بارے میں توجہ دلانا میرا مقصد ہے۔اس صورتحال کی تین قسمیں بہت نمایاں ہیں جنھیں مندرجہ ذیل طریق سے بیان کیا جاسکتا ہے:

الف۔ بہت سے نقاد اور ادب پر لکھنے والے اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق کوئی اصطلاح گھڑ لیتے ہیں اور پھر اسے متعین کیے بغیر اور اس کی تعبیر و تضمن کا بیان کیے بغیر اسے اس فراخ دلی سے استعمال کرتے ہیں جیسے تمام اہلِ علم و ادب اس سے متفق ہوں ۔ ادبی دبستانوں سے متعلق اور تعریفی تحریروں میں ان کی بھرمار نظر آتی ہے۔

ب۔ کچھ اہلِ قلم اور نقاد انگریزی تحریروں کے مطالعے سے اصطلاحات حاصل کرتے ہیں اور پھر ان کا ترجمہ کر کے اسے بغیر تشریح و تفصیل استعمال کرتے ہیں ۔ ایسے ترجمے عموماً یک طرفہ، محدود اور لغوی ہوتے ہیں اور اصطلاح سے متعلق تمام تصورات، خیالات اور معانی کا احاطہ نہیں کرتے۔

علاوہ ازیں اس ترجمہ کے اپنے بھی کچھ لغوی معانی ہوتے ہیں۔ متعلقہ اہلِ قلم ان تمام پہلوؤں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ج۔ کچھ اہلِ ادب اپنی تنقیدی تحریروں میں صحافیانہ تراجم کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ صحافی حضرات وسیع تر قارئین کے لیے لکھتے ہیں، انھیں کچھ اطلاعات فوری طور پر اپنے قارئین تک پہنچانا ہوتی ہیں۔ صحافی حضرات ایک ڈیڈ لائن کے اسیر ہوتے ہیں اور ان کا مقصد رواں اور عام فہم انداز میں کسی خبر یا حقیقت کو بیان کرنا ہوتا ہے جسے اگر وہ سنسنی خیزی اور ہنگامیت سے بھرپور کر سکیں تو یہ ان کی کامیابی سمجھی جاتی ہے۔ اس کے برعکس ادبی نقاد اعلیٰ مفکرین کے زمرے میں آتے ہیں، وہ کسی ڈیڈ لائن کے اسیر نہیں ہوتے نہ ہی ان سے سنسنی خیز اور ہنگامیت آمیز تحریر کی توقع کی جاتی ہے۔ ان کا اصل کام یہ ہے کہ وہ بہت متعین انداز میں اور منطقی طور پر ادبی مظہر کے متعلق قارئین اور ادیبوں کی راہنمائی کریں۔ ادبی مظاہر کی تشریح و توضیح کریں، ان کی قدر بندی اور تحسین کا فریضہ انجام دیں، لیکن وہ صحافیانہ انداز کا شکار ہو جاتے ہیں۔

د۔ ادبی نقادوں کی ایک قسم وہ بھی ہے جو مبالغہ آمیز، تعریفی و توصیفی انداز سے جارو بیانہ (Sweeping) بیانات دینے اور زمین و آسمان کے قلابے ملانے ہی کو تنقید خیال کرتی ہے۔ یونیورسٹیوں نے تنقید کی اس قسم کو رواج دینے میں خاص کردار ادا کیا ہے۔ ان نقادوں کے نزدیک شاعرانہ اندازِ بیان ہی اصل تنقید ہے۔ اس گروہ میں ایسے احباب شامل ہیں جو محض ادب پارہ کا مطالعہ کر کے اپنے تاثرات کا بیان تنقید سمجھتے ہیں اور خود کو تاثراتی نقاد کہتے ہیں۔

یہ ان مختلف صورتوں میں سے چند کا بیان ہے جو اصطلاحات کی اس طوائف الملوکی کی وجہ ہیں۔ ان کی مثالیں ہم بعد میں دیں گے۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بحث کو آگے بڑھانے سے پہلے یہ طے کر لیں کہ خود ''اصطلاح'' کی کیا تعریف ہے:

> ''لفظ ''اصطلاح ''عربی الاصل ، اسم ہے اور مؤنث استعمال ہوتا ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں ''دوسرے معنی مقرر کرنا۔''(۱)

لیکن علمی گفتگو اور تحریروں میں اس سے مراد ہے:

> ''وہ لفظ یا الفاظ جس کے کوئی خاص معنی کسی علم و فن کے ماہروں یا کسی جماعت نے مقرر کر لیے ہیں۔''(۲)

مثلاً حدیث کے لغوی معنی ہیں بات کرنا، مگر شریعت کی اصطلاح میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول، فعل اور گفتگو کو حدیث کہتے ہیں۔(۳)

اصطلاحات کسی بھی علم و فن کی زبان ہیں۔ انسانی گفتگو میں الفاظ ڈھیلے ڈھالے انداز میں استعمال ہوتے ہیں لیکن کسی بھی علم و فن میں اصطلاح سے مراد یہ ہے کہ کہنے والا جو کہے اور لکھنے والا جو لکھے اس کے معانی اس قدر واضح ہوں کہ ان میں کسی بھی غلط فہمی کا احتمال نہ ہو لہٰذا ہر علم کے ماہرین

درست تحریر و گفتگو کے لیے اصطلاحات کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ ایسے الفاظ و تراکیب ہوتی ہیں جن کے معانی متعین اور قائم ہوتے ہیں اور کسی بھی علم و فن کے علما کا اس پر اتفاق ہوتا ہے۔ علم کی بنیاد انھی پر ہوتی ہے مثلاً ''افسانہ'' کے لغوی معنی ہیں کہانی لیکن ادبی تنقید میں اس سے مراد ایک مخصوص تکنیک اور بیانیہ کی کہانی ہے جو مختصر ہو اور وحدت تاثر رکھتی ہو۔ ناول کے لفظی معنی نئی چیز کے ہیں لیکن ادبی تنقید میں اس سے مراد ایک مخصوص انداز اور تکنیک کی بیانیہ تحریر ہے جو کافی طوالت رکھتی ہے۔ اس کے پلاٹ کے مخصوص تقاضے ہیں، کرداروں اور واقعات کی ترتیب سے زندگی کے بارے میں مصنف کے مخصوص نقطہ نظر پر مشتمل کہانی بیان کرتی ہے۔ اسی طرح تمام دوسرے علم و فن اپنی مخصوص اصطلاحات رکھتے ہیں اور ان کے درست استعمال کے بغیر اس علم سے آگاہی ممکن نہیں ہے۔

تنقید بھی ایک مخصوص علم ہے۔ ادبی تنقید ادب پاروں سے متعلق ہے لیکن خود ادب نہیں ہے۔ یہ فلسفہ میں علمِ جمالیات کی ایک شاخ ہے اور ادبی مظاہر کا بحیثیت مجموعی مطالعہ کرتی ہے۔ ادبی تنقید ادب پاروں کی تشریح و توضیح سے شروع ہو کر ان کی تحسین اور قدر بندی کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ اس کا بنیادی عمل خود تنقید اور تنقیدی نظریات کا مطالعہ بھی ہے اور ادب اور ادب کے متعلقات کا تجزیہ بھی۔ یہ اس کے اعلیٰ ترین مقاصد ہیں۔ عام سطح پر ادبی تنقید اپنا عمل ادب پاروں کی تشریح و توضیح سے شروع کرتی ہے۔ ان کا فنی تجزیہ کرتی ہے، ان کی لسانی، فنی، تکنیکی اور موضوعاتی خصوصیات کا احاطہ کرتی ہے، ادبی صنف میں اور مجموعی ادبی روایات میں ادب پاروں کے مقام سے بحث کرتی ہے اور ان کے فنی و ادبی محاسن اجاگر کرتی ہے اور مجموعی انسانی تجربے میں ادب پاروں کی انفرادی اور ادب کی اجتماعی قدر و قیمت سے بحث کرتی ہے لیکن ہر مقام پر تنقید کا ایک موضوع اور مقصود ہوتا ہے یعنی تنقید خود اپنے وجود یا ادب کا مطالعہ کرتی ہے۔(۴) یعنی تنقید علم ہے جو ادب کے مظہر کا مطالعہ کرتا ہے ادب ایک وسیع معاشرتی اور لسانی مظہر ہے اور پورے انسانی تجربے پر محیط ہے۔ یہ انسانی تخلیقی تجربے کا ایسا فنی اظہار ہے جو تخیل کے راستے اور زبان کے ذریعے سے انجام پاتا ہے۔(۵) ادب کے اس مظہر کا مطالعہ تنقید ہے۔ یہ علم ہزاروں سال پرانا ہے۔ اس کی اپنی ایک زبان اور اصطلاحات ہیں۔ اعلیٰ اور بامعنی تنقید کے لیے ان اصطلاحات کا درست استعمال لازمی ہے ورنہ تنقید نقار خانے کی آواز بن جاتی ہے۔

اس گفتگو سے ہم کچھ نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔ اول یہ کہ ہر علم کی مخصوص اصطلاحات ہوتی ہیں۔ ان اصطلاحات سے واقف ہوئے بغیر اس علم سے کما حقہ آگاہی ممکن نہیں۔ یہ اصطلاحات ایسی ہوں کہ ان پر اس علم کے ماہرین کا اتفاق ہو، اور ان اصطلاحات کو صرف انھی معانی تک محدود رہنا چاہیے۔ اصطلاحات میں صحافیانہ رنگ نہیں ہونا چاہیے بلکہ صحافیوں کو اہلِ علم کی پیروی کرنی چاہیے۔ تنقیدی اصطلاحات صدیوں کے ارتقا کا نتیجہ ہیں لہٰذا ان کی خاص حفاظت کرنی چاہیے۔

یہاں پر یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ گو علمِ تنقید ایک قدیم علم ہے لیکن اردو ادب ایک جدید ادب

ہے اور اس میں تنقید کا باضابطہ علم محض ایک ڈیڑھ صدی پر محیط ہے لہٰذا اردو تنقید کو اپنے دامن کو وسعت دینے کے لیے دوسری زبانوں سے بہت سا مواد اخذ و ترجمہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اردو کے آغاز کے وقت سے اس کے تنقیدی اور ادبی سرچشمے عربی اور فارسی سے اخذ تھے۔ ۱۸۵۷ء تک تمام اصناف، ادبی و تنقیدی معیار فارسی سے حاصل کردہ تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد سے ان کی جگہ انگریزی نے لے لی۔ اب اردو ادب اور تنقید کے سرچشمے مغرب میں ہیں۔ ہمارے علما اور دانشور مغرب کے علم سے استفادہ کرتے ہیں اور پھر ان کو اردو میں لکھ کر اردو کا دامن وسیع کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ بیسویں صدی سے آج تک اردو ادب اور تنقید کے معیار اور سانچے، مغرب سے اخذ و مستعار ہیں۔ اپنی زمین اور دانش کے اپنے سرچشموں پر اردو کا انحصار بہت کم ہے لہٰذا مغرب سے خیالات و تصورات حاصل کر کے ہم اردو ادب میں رائج کرتے ہیں۔

اس اخذ و ترجمے کی ایک بڑی دقت یہ ہے کہ اردو کے عالم و فاضل انگریزی خیالات و تصورات کے ترجمے کے ساتھ ساتھ انگریزی اصطلاحات کا بھی ترجمہ کر دیتے ہیں جو اصطلاحی سے زیادہ لغوی معانی پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ ترجمہ شدہ اصطلاح انگریزی اصطلاح کا نہ صرف یہ کہ درست ترجمہ نہیں ہوتی بلکہ وہ ان تصورات و خیالات کی حامل بھی نہیں ہوتی جو اصل انگریزی میں رائج اصطلاح سے وابستہ ہیں لہٰذا وہ ان کی درست قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ اس پر ستم یہ کہ ان ترجمہ شدہ اصطلاحوں کو استعمال کرتے وقت ہمارے نقاد اور دانشور ان کی تعریف اور حدود بھی متعین نہیں کرتے جسے سے وہ الجھن پیدا ہو جاتی ہے جسے اصطلاحات کی طوائف الملو کی کہا گیا ہے۔ اس پر مزید الجھاؤ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کچھ دیگر علما اسی اصطلاح کا کوئی اور ترجمہ کر دیتے ہیں اور بعض اصحاب اصل انگریزی اصطلاح کو ہو بہو استعمال کرتے رہتے ہیں۔

اس صورتحال کی بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں، یہ عمل حالی کے ''جوش، اصلیت''(۶) سے شروع ہوا اور ہمارے اکثر نقاد اس کا شکار ہوئے۔ تازہ ترین مثال ''عالمگیریت'' کی ہے جو کہ انگریزی اصطلاح Globalization کا ترجمہ ہے(۷) کیا ''عالم گیریت'' ''گلوبلائزیشن'' کا درست ترجمہ ہے؟ بالکل نہیں۔ عالم گیریت دراصل Universalization کا ترجمہ ہے جو خود ایک علیحدہ تصور اور اصطلاح ہے۔ اس سے الجھن اور خلط مبحث پیدا ہوتا ہے۔ گلوبلائزیشن کی اصطلاح ایک مخصوص معانی میں استعمال کی جاتی ہے۔ اردو میں عالم گیر کا مفہوم دوسرا ہے جس سے ''عالم گیریت'' وضع کی گئی ہے۔ ''گلوب'' صرف اس دنیا تک محدود ہے جبکہ ''عالم'' تمام کائنات تک وسیع ہے۔ مفہوم کا فرق واضح ہے اور یہی اس اصطلاح کے درست ہونے کی بڑی نفی ہے۔

ایک دوسری اصطلاح ''نوآبادیات'' ہے جو اگرچہ اردو میں عرصہ سے مستعمل ہے لیکن ادبی تنقید میں ابھی حال ہی میں استعمال ہونا شروع ہوئی ہے۔ نوآبادیات اصل میں ترجمہ ہے انگریزی

اصطلاح Colonies کا لیکن متن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل نقاد نے اس سے مراد Colonialism یا Neo-Colonialism لی ہے۔(۸) اس الجھن کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام مختلف اصطلاحیں ہیں جو نہایت مختلف معانی میں استعمال ہوتی ہیں لیکن فاضل مصنف نے انگریزی کے مقابل ان اردو اصطلاحات کو وضع کرنے اور استعمال کرنے کے وقت کوئی وضاحت نہیں کی کہ اس سے ان کی کیا مراد ہے؟ یہ نہایت ضروری ہے کہ جب بھی کوئی نئی اصطلاح وضع کی جائے یا استعمال کی جائے تو اس سے پہلے آغاز میں اس کی وضاحت کر دی جائے کہ اس اصطلاح سے نقاد یا مصنف کی کیا مراد ہے اور وہ کون سے تصورات، خیالات اور معانی اس سے وابستہ کرتے ہیں۔ نوآبادیات، لغوی طور پر نوآبادی کی جمع ہے۔ نوآبادی نئی آبادی کو کہتے ہیں جس کے لیے انگریزی اصطلاح "Colony" ہے۔ حکومتِ پنجاب میں ایک محکمہ ہے جس کا نام ہی Colony Office یا نوآبادیاتی دفتر ہے۔ یہ محکمہ نہروں سے آباد شدہ زمینوں میں آبادکاری اور اس کے مسائل کے حل کے لیے ہے اور یہ اصطلاح پنجاب میں عرصہ سے استعمال ہوتی ہے۔ اسی طرح جب انگلستان نے شمالی امریکہ میں نئی آبادیاں قائم کیں تو ان کو "New Colonies" کہا گیا۔ نوآبادیات ان علاقوں اور آبادیوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جہاں کوئی قوم قبضہ کر کے اور جا کر اپنی آبادیاں قائم کرتی ہے اور اپنی حکمرانی قائم کرتی ہے لہٰذا امریکہ، جنوبی افریقہ، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ پر یہ اصطلاح استعمال ہو سکتی ہے۔

لیکن ان علاقوں کو جہاں کوئی قوم یا غیر ملکی طاقت جا کر قبضہ کرتی ہے اور اپنی حاکمیت اعلیٰ تو قائم کرتی ہے لیکن اپنی آبادیاں قائم نہیں کرتی ان کو ''نوآبادیات'' میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے لیے مناسب اصطلاح 'سامراجیت' یعنی Imperialism ہے۔ سامراجیت میں کوئی قوم کسی دوسری قوم اور ملک پر قبضہ کر کے اپنی حاکمیتِ اعلیٰ تو قائم کرتی ہے اور اپنی مادرِ وطن کے سیاسی و معاشی فائدے کے لیے ان کا استحصال تو کرتی ہے لیکن وہاں اپنی آبادیاں قائم نہیں کرتی۔ ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ ''سامراجیت'' یعنی "Imperialism" کی مثال ہے۔

علاوہ ازیں قواعد کی رو سے نوآبادیات، نوآبادی کی جمع ہے۔ یہ Colonialism کا درست ترجمہ نہیں ہے۔ کالونیلزم کا درست ترجمہ ''نوآبادیت'' ہے۔ دونوں کے معانی میں بہت فرق ہے۔ ترجمہ کرتے وقت اس کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسی اصطلاحات جن کو اردو میں ہو بہو استعمال کیا جا سکتا ہے ان کا ترجمہ کرنا ضروری ہے؟ کیونکہ اس سے خلط مبحث پیدا ہوتا ہے۔ جب ہم نے فارسی، عربی سے اپنی تمام اصطلاحات کو جو ہمارے لیے اہم تھیں ہو بہو اختیار کر لیا تو انگریزی سے خواہ مخواہ کی مخاصمت کیوں! ہم صرف، نحو، قواعد، علمِ بیان، بدیع، غزل، مثنوی وغیرہ ہزاروں ایسی اصطلاحیں اردو میں استعمال کرتے ہیں جو عربی یا فارسی سے اخذ شدہ ہیں۔ یہی رویہ انگریزی کے ساتھ کیوں نہ روا رکھا جائے تا کہ اس تمام الجھن اور خلط مبحث کا خاتمہ کیا جا سکے۔

گلابلائزیشن اور کالونیلزم ایسی اصطلاحیں ہیں جو اردو میں پہلے ہی سے رائج ہیں لہٰذا ان کا خواہ مخواہ ترجمہ کرنا اور ترجمہ بھی ناقص اور نامکمل جہاں ایک طرف تحصیل حاصل ہے تو دوسری طرف خلط مبحث اور غلط فہمی کا باعث بنتا ہے۔ اگر انگریزی جیسی زبان جو اب تمام دنیا میں علم کی زبان ہے وہ ابھی تک اپنی اصطلاحیں قدیم لاطینی، یونانی اور فرانسیسی سے حاصل کردہ استعمال کر سکتی ہے تو اردو کیوں انگریزی اصطلاحیں استعمال نہیں کر سکتی۔

انگریزی، قانون، ادب، میڈیسن ابھی تک بہت سی لاطینی، یونانی اور دوسری زبانوں کی اصطلاحات استعمال کرتی ہے۔ Suo Moto سوؤ موٹو، Dejure ڈی جیور، Coupe e Dettet کوڈیٹے وغیرہ انگریزی الفاظ نہیں، لاطینی اور فرانسیسی سے اخذ شدہ ہیں اور ہم انھیں استعمال کرتے ہیں۔ ادب اور تنقید میں بھی ہمیں اس روش کو اختیار کرنا چاہیے۔ انگریزی کے ہزاروں لاکھوں الفاظ اور بھی بلا تخصیص استعمال ہوتے ہیں لہٰذا ادب اور تنقید میں بھی خاص کر ان کی اصطلاحات کو ہو بہو اردو میں استعمال کرنا ضروری ہے۔ اس سے اردو میں وسعت آئے گی اور اردو والوں نے جو انگریزی سے خواہ مخواہ کی مخاصمت اور مخالفت کی راہ اپنا رکھی ہے اس سے نجات حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ اردو داں طبقہ انگریزی کے مقابلے میں ایک خاص احساسِ کمتری میں مبتلا ہے جو بلاوجہ ہے۔ اب انگریزی زبان صرف انگریزوں کی زبان نہیں، یہ دنیا میں علم کی زبان ہے اور اردو داں طبقہ کو اپنی، اپنی زبان اور علم وادب کی بہتری کے لیے اس مخالفت، مخاصمت اور احساسِ کمتری پر قابو پانا چاہیے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ عبداللہ خاں خویشگی، فرہنگِ عامرہ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹ء، ص:۴۰

۲۔ وارث سرہندی، علمی اردو لغت (جامع)، لاہور: علمی کتاب خانہ، ۱۹۹۰ء، ص:۱۱۰

۳۔ محمد خاں اشرف، ڈاکٹر، عظمت رباب، ڈاکٹر، مرتبین: اصطلاحات تحقیق وتدوین، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء، ص:۳۷۳

۴۔ ٹی۔ ایس ایلیٹ، مضمون تنقید کا منصب، مشمولہ: ایلیٹ کے مضامین، ترجمہ: ڈاکٹر جمیل جالبی، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن،

۵۔ محمد خاں اشرف، ڈاکٹر، ادب کیا ہے؟ ادب کا ایک مربوط نظریہ، لاہور: مرکزِ زبان وثقافت، ۲۰۱۸ء، ص: ۷۹

۶۔ حالی، الطاف حسین، مولانا، مقدمہ شعر وشاعری، مرتبہ: ڈاکٹر وحید قریشی، لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۶۳ء،

۷۔ سہیل احمد خاں، ڈاکٹر، محمد سلیم الرحمٰن، منتخب ادبی اصطلاحات، لاہور: شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی، ۲۰۰۵ء، ص:۹۹

۸۔ ناصر عباس نیر، مابعد نوآبادیات۔ اردو کے تناظر میں، کراچی: اوکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۳ء، ص:۳۔۲